آسیہ مرزا

من موہ کی بات نہ مانو

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔وہ اپنی بیوی مومنہ کو چھوڑ کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔حازم اپنی سوتیلی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے جبکہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی اپنی پھوپھو اور اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے۔فضا کی ایک امیر زادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر ملتی رہتی ہے۔حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے وہ فضا کو سمجھانے کی کوشش کرتی رہتی ہے کہ وہ اس راستے پر نہ چلے۔

عباد گیلانی جب موت کو اپنے قریب دیکھتا ہے تو مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے۔ حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا۔

(اب آگے پڑھیے)

تیسری قسط

عباد گیلانی کمرے میں تنہا تھے۔ ان کی بجھی بجھی نگاہیں دروازے کی جانب اٹھی تھیں۔ جانے کس کی منتظر تھیں' شاید بیٹے کی۔

حازم کو وہ پہلے سے کہیں زیادہ کمزور اور نڈھال دکھائی دیے۔ اسے دیکھ کر ایک لمحے ان کی بجھی آنکھوں میں جگنو سے چمکنے لگے۔ دوسرے پل وہ نظریں چرا گئے۔

"مجھے یقین تھا تم آؤ گے' چاہے کتنے دن ناراض رہ لو مگر میری حالت پر تم ضرور رحم کھاؤ گے۔" پھر ایک افسردہ سی مسکراہٹ سے بولے۔

"چلو باپ کو قابل رحم ہی سمجھ کر اور جذبہ ہمدردی میں ہی چلے آئے۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔" حازم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور کرسی ان کے بیڈ کے نزدیک کھینچ کر بیٹھ گیا۔ لفافے سے تصویر نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اسے جانتے ہیں آپ..." عباد گیلانی کی نگاہیں اس تصویر پر اٹھیں تو جھپکنا بھول گئیں۔ ان کے بدن کو بے نام سا جھٹکا لگا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگے مگر کمزوری کے غلبے نے انہیں اس کوشش میں ناکام بنا دیا۔ انہوں نے لرزتے ہاتھ سے تصویر کو تھام لیا۔ حازم نے انہیں کندھے سے تھام کر اوپر اٹھایا اور ان کا تکیہ اونچا کر کے بیڈ کراؤن سے لگا دیا اور انہیں تکیے کے سہارے بٹھا دیا۔

"یہ... یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی۔" ان کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔ ان کے اندر ایک انتشار برپا ہو گیا تھا۔ جیسے یک دم باد صرصر چلی ہو اور ہر شے کو اڑانے لگی ہو۔ کوئی بھونچال سا آ گیا ہو۔ اجڑے ویران چمن میں... اور سوکھے پتے اس آندھی ہوا میں ادھر ادھر بکھرنے لگے ہوں۔

"آپ جانتے ہیں انہیں۔" اس نے اپنے لہجے کو حتی الامکان بے تاثر رکھنے کی کوشش کی مگر بے نام سی تلخی اور طنز اتر آیا' مگر عباد گیلانی نے اس کی آواز سنی ہی کب کہ اس کے لہجے کو محسوس کرتے۔ انہوں نے ایک پل آنکھیں میچ کر کھولیں۔ انہیں لگا وہ تصویر نہ ہو' مومنہ یاور علی زندہ مجسم ہو کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ کو یہ یاد تھیں مگر کہاں پایا... آپ تو انہیں بھول چکے ہیں اب۔"

"نہیں... میں اسے کبھی نہیں بھول پایا۔" وہ جیسے تڑپ کر بولے اور اپنی مرتعش انگلیوں سے تصویر کو سہلایا اور افسردگی سے ہنس دیے۔

"یاد بھی تو نہیں رکھا۔" نا چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو گیا۔ عباد گیلانی نے اس کی طرف دیکھا اور مبہم انداز میں سر ہلانے لگے۔

"ہوں... شاید..." حازم نے تصویر ان کے ہاتھ سے لی اور وہ چاہنے کے باوجود یہ تصویر نہ مانگ سکے۔ ابھی تو جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا' مگر پھر سوچ کر تکیے پر سر ڈال دیا کہ...

ہاں اب وہ اس کی کون تھی۔ ایک غیر... اجنبی... اجنبی سے بھی بڑھ کر اجنبی...

"مجھے یہ تصویر یاور علی نے بھیجی ہے۔ ایک طویل خط کے ہمراہ' ایسا ہی خط ایسے ہی صفحات جو آپ نے مجھے بھجوائے ہیں۔" وہ تصویر لفافے میں ڈالتے ہوئے بے مہری سے بولا۔

"یاور علی نے..."

"جی... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ساری زندگی جس بات پر پردہ پڑا رہا ہے' وہ اس عمر میں ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پردہ ہی رہنے دیتے۔ زندگی میں یہ انتشار لانا ضروری تھا... کیوں؟ کیوں پایا اس عمر میں سچ بول کر آپ کے خیال میں آپ نے جنت کما لی؟" عباد گیلانی نظریں چرا گئے۔ وہ انہیں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' جس میں دکھ اور ملال کی ایک کیفیت تھی۔ انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ اپنی نظروں میں گرنا کسے کہتے ہیں۔

"آپ کا یہ سچ میرے لیے کسی خوشی کا باعث نہیں ہے۔ آپ نے تو فقط اپنے دل کا بوجھ اتارا ہے۔ اپنے ضمیر پر دھرا یہ پتھر میرے سینے پر دھر دیا ہے۔ اس سچ پر پردہ ہی رہتا تو اچھا تھا پاپا۔"

عباد کے دل پر چوٹ پڑ رہی تھی۔ اس رخ پر تو اس نے سوچا ہی نہیں کہ یہ سچ اس کے لیے کتنا بڑا آزار ثابت ہوگا۔ وہ تقسیم ہو کر رہ جائے گا۔ اس کی پرسکون زندگی انتشار کا شکار ہو جائے گی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو حازم... میں نے فقط اپنے دل کا بوجھ اتارا ہے۔ اپنے ضمیر کی چبھن دور کرنے کی کوشش کی ہے، موت کی آہٹ کو سننے والا آدمی کو اپنا پورا نامہ اعمال دکھائی دینے لگتا ہے۔ ایسے میں وہ اس تاریک اندھیرے میں روشنی کی ننھی سی کرن کو ڈھونڈنے لگتا ہے، تاکہ اک ذرا سی روشنی سے وہ اپنے اعمال نامے کی دبیز سیاہی کو تھوڑا سا کم کر سکے۔ کیا تم اپنے باپ کی یہ خطا معاف نہیں کر سکتے۔" وہ اس کی طرف آس بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"تم ساحل پر کھڑے ہو حازم... تم موت کے سمندر میں دھیرے دھیرے ڈوبنے والے کے احساسات نہیں جان پاؤ گے۔ ڈوبنے والا کس طرح خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ یہ ایک ڈوبنے والا ہی جانتا ہے۔" ان کی آواز بکھرنے لگی۔

"کاش آپ یہ سچ اس وقت بولتے جب مجھے اس سچ کی ضرورت تھی۔" حازم تلخی سے ہنسا اور ایک اچٹتی نظر لفافے پر ڈالی۔ دوسرے پل لفافے کے دو ٹکڑے کر کے فضا میں اچھال دیے۔

"میرے لیے اب کسی بھی رشتے میں کوئی کشش نہیں پاپا۔ میں ان دیکھے ان چاہے رشتوں کو نہیں مانتا۔ میرے لیے جو کبھی تھے ہی نہیں، جن کا وجود تھا ہی نہیں۔ وہ کیسے ہو سکتا ہے میں نے جس رشتے کی محبت کا ذائقہ چکھا ہی نہیں اس کو کیسے محسوس کر سکتا ہوں۔" وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

"حازم... بات سنو..." عباد گیلانی بے حد لجاجت سے اسے پکارا۔ مگر وہ رکا نہیں اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

زندگی کے رستوں میں
اتنی گرد اٹھتی ہے

فاصلے سے دیکھیں تو
کچھ نظر نہیں آتا

منزلوں کے چہرے بھی
راہ کی نشانی بھی

سب ہی ڈوب جاتے ہیں
گرد کے سمندر میں

رستہ نہیں ملتا
فاصلہ نہیں گھٹتا

جس جگہ سے نکلے تھے
ہم سفر کے رستوں پر

وہاں پہنچ کر دیکھیں تو
ہر طرف اداسی ہے
ہر طرف اندھیرا ہے

کچھ نظر نہیں آتا
بے نشان رستوں میں

واپسی تو آتے ہیں
اپنا گھر نہیں آتا

مومنہ اندر آئی تو یاور علی نے اسے دیکھ کر اپنی کھولی ہوئی فائل بند کردی۔
"آؤ مومنہ۔۔۔ حوریہ سے تمہارا دوبار پوچھ چکا ہوں۔ چائے پی لی تم نے۔"
"جی ابھی حوری کے ساتھ ہی پی ہے' آپ تو جانتے ہیں وہ کہاں مجھے اکیلا بیٹھنے دیتی ہے۔"
"ہاں۔۔۔ بچپن سے ہی وہ تمہاری عادی ہے' کہاں بدلے گی عادت۔" یاور علی مسکرائے۔
"اب تو بدلنا ہی پڑے گا۔ کب تک میری انگلی تھامے چلے گی۔ سمیعہ میری فرینڈ' آپ تو جانتے ہیں اس کا چچازاد ہمایوں بہت اچھا لڑکا ہے۔ وہ مجھ سے حوریہ کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں نے بھابھی سے بھی بات کی ہے۔ بس حوریہ کا فائنل مکمل ہوجائے تو میں اسے بلوالوں گی۔"
"ہوں۔۔۔ یہ تو سوچا ہی نہیں کہ وہ اب بڑی ہوگئی ہے۔ عادل کو یہ ذمہ داری بھی ادا کرنی ہے۔ خیر۔۔۔" یاور علی نے ایک گہری سانس بھر کر چشمہ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔
"آپ نے چائے پی۔"
"کہاں۔۔۔ ابھی زرینہ دے گئی ہے۔" انہوں نے ٹرالی پر رکھی چائے کو دیکھا۔
"ٹھنڈی ہوگئی ہوگی۔ لائیں گرم کرلاؤں۔" مومنہ ٹرالی کی طرف بڑھی۔ یاور علی نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔
"اوں ہوں۔۔۔ میں زیادہ گرم نہیں پیتا۔ بس ٹھیک ہے' تم بیٹھو۔" سبز کرتی اور سفید دوپٹے میں ملبوس وہ عمر کے اس دور میں بھی بہار کا کوئی حصہ دکھائی دے رہی تھی۔ یاور علی اسے دیکھتے ہوئے جانے کس سوچ میں گم ہوگئے۔
جب اس کی آواز ابھری۔
"آپ گئے تھے وہاں۔۔۔"
"ہوں۔۔۔ کیا۔۔۔ کہاں۔۔۔" وہ چونکے۔ مومنہ کو دیکھا مگر دوسرے پل سر ہلا گئے۔
"ہاں۔۔۔ گیا تھا۔ ملاقات ہوئی حازم سے۔۔۔" وہ پوچھنا چاہ رہی تھی عباد گیلانی کے بارے میں بھی۔۔۔ مگر بہت کچھ پوچھنے کی خواہش مچل کر اندر ہی دم توڑ گئی جیسے بپھری ہوئی موج سطح سمندر پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ جائے۔ وہ خود آزردگی کی کیفیت میں تھی۔

"حازم کو دیکھا آپ نے۔ کیسا ہو گیا ہے وہ۔۔۔ بہت بڑا جوان۔"
اس کی ممتا آج برسوں بعد اس کے دل کی تہوں سے نکل کر اس کی آنکھوں کے بھورے کانچ پر پھیل گئی تھی۔
یاور علی ان کانچ پر پھیلی بے قراری سے نظریں کترا گئے۔
"ہوں۔ سرسری سی۔ دراصل اس کی ڈاکٹرز سے میٹنگ تھی۔"
"رہنے دیں۔۔۔ اباجی۔" یک دم دل گرفتہ سی ہو کر ان کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔
"رشتوں کی اہمیت ہوتی تو پہلی ملاقات سرسری نہیں، بہت پرجوش ہوتی۔ آپ مجھ سے نظریں چرا رہے ہیں اباجی۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس نے اس رشتے کو پہچاننے سے انکار کر دیا ہو۔"
"ارے نہیں۔ تم جو سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔ بس وہ عباد کی حالت ہی خراب ہو گئی تھی۔ وہ ٹھیک طرح سے میرا تعارف نہیں کرا پایا۔"
"خوشبو بھی بھلا تعارف کی محتاج ہوتی ہے۔" وہ آزردگی سے ہنس پڑی۔
"دکھ یہ نہیں ہے اباجی کہ اس نے آپ کو دیکھ کر اپنی بانہیں نہیں پھیلائیں یا آپ کی بانہوں میں نہیں سمایا۔ دکھ صرف اس بات کا ہے کہ اسے رشتوں کا غلط تعارف کرایا گیا ہے اس کے دل میں وہ کچھ بویا ہی نہیں گیا جس کے آپ متلاشی ہوں گے" یاور علی اسے دیکھتے رہ گئے۔ وہ یہ سب خود بھی کہنا چاہتے تھے مگر کہہ نہیں پائے تھے مگر وہ خود ہی سمجھ گئی تھی۔
تو کیا ان کے چہرے پر یہ سب لکھا ہوا ہے۔ وہ غیر محسوس طور پر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ پھر ہلکی سی سانس بھر کر چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

"حازم!" عباد گیلانی کے لہجے کی لجاجت اور آنکھوں میں پھیلی التجا پر وہ رک گیا۔
وہ تھکے تھکے انداز میں ان کے نزدیک رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔
"سمجھ نہیں آتا۔ آپ نے انہیں یاد بھی نہیں رکھا اور بھولے بھی نہیں ہیں۔ جب وہ بری عورت نہیں تھیں تو کیوں دکھ دیا انہیں اور اگر بری تھیں تو کیوں ان کا خیال دل میں دبائے بیٹھے ہیں۔"
"وہ کہاں بری تھی اس جیسی تو کوئی دوسری تھی ہی نہیں۔ وہ ایسی تھی جس نے مجھ جیسے آدمی کو اندر سے توڑا تھا۔"
عباد گیلانی نے تکیے پر سر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور آنکھیں موند لیں۔ شاید اتنا ہی اس کے بس میں تھا، کچھ دیر یونہی پڑے پڑے جیسے کسی تصور میں گم تھا۔ پھر شگفتہ آواز میں بولا۔
"میں جب اس سے پہلی بار ملا تو مجھے وہ اچھی لگی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ میں بھی پہلی نظر میں اس کے دل میں بس جاؤں۔ میرے جیسا خوب صورت 'ویل آف فیملی کا لڑکا' نظرانداز کیے جانا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں ہزاروں لڑکیوں کے دل کی دھڑکن تھا ان کے خوابوں کا شہزادہ تھا، وہ ایسے شخص کو کیسے اگنور (نظرانداز) کر سکتی تھی مگر حازم۔ اس نے مجھے اگنور نہیں کیا بلکہ رد بھی کر دیا۔
میں کھول اٹھا، یہ سراسر میری انسلٹ (توہین) تھی۔۔۔ ایک امیرزادے کی انسلٹ۔ اب وہ میری ضد بن گئی۔ ایک مڈل کلاس لڑکی مجھے کیسے رد کر سکتی تھی، میں گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس کے باپ سے تعلقات بڑھائے۔ ایک اچھا شخص بن کر ان کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ بہت تگ و دو کی اور اس مہم کو سر کر لیا۔
وہ میرے پاس تھی۔ میری جائز ملکیت بن کر۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا حازم کہ میں اپنی محبت پا کر خوش ہوتا اس

کے ساتھ اپنے شب و روز گزارتا اور خوشیاں کشید کرتا۔ مگر میرے جیسے بگڑے عیاش امیرزادے کی ایسی پاکیزہ سوچ نہیں ہو سکتی تھی میں اسے پاکر مغتنم بن گیا۔

میں اس سے چن چن کر بدلے لینے لگا۔ میں نے تو جیسے اسے کھلونا سمجھ لیا اور اسے تڑپا کر تسکین پانے لگا۔ مگر وہ میرے اندازے سے کہیں زیادہ صابر اور بردبار عورت نکلی۔ وہ مجھ سے نکاح کے بندھے بندھن کو ہر طور نبھانے کی کوشش کرتی رہی، مگر میں نا سمجھ تھا' اس کی اس فطرت کو اس کی بزدلی اور بے چارگی' لاچاری سمجھ کر حظ اٹھاتا رہا۔ میں نے اسے ذہنی ہی نہیں جسمانی طور بھی ٹارچر کیا۔ پھر آخر حربہ یہ کہ اس سے اس کا بچہ چھین کر اسے طلاق نامہ پکڑا کر گھر سے نکال دیا۔ اور اسے یہ جتانا نہیں بھولا تھا کہ وہ میری محبت نہیں تھی' ضد تھی۔

وہ چلی گئی' زندگی گزرتی رہی مگر وہ میرے سینے پر ایسا پتھر رکھ کر گئی کہ جو بھی سرکا ہی نہیں' ایک بے نام سی گھٹن میں مبتلا رہا۔ میں نے ہزار ہا لڑکیوں میں گم ہو کر اسے بھلانے کی کوشش کی۔ شادی بھی کرلی۔۔۔ مگر۔۔۔ شاید میں نے اس سے ہی محبت کی تھی۔ تم۔۔۔ اور تم حازم۔۔۔"

عباد گیلانی نے یہ سب کہتے کہتے حازم کو دیکھا' پھر کچھ دیر اس کا چہرہ تکتے ہوئے بولے۔ "تم اس کا پرتو ہو۔ تمہیں دیکھتا ہوں تو جیسے وہ میرے سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ میں تم سے مومنہ جتنی محبت کرتا ہوں حازم۔۔۔ تم میرے لیے' میری پہلی چاہت جیسے ہو۔ معصوم گلابوں جیسی چاہت" وہ یک دم بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے۔ حازم اس طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا' انہیں روتا دیکھتا رہا۔

محبت کے دعوے تو کرنے والے بہت ہیں مگر محبت کو سمجھنے والے بہت کم۔ اس کے باپ نے محبت کی تھی مگر محبت کو سمجھا نہیں' اس کے مفہوم سے آشنا نہیں ہوئے اور جب آشنائی ہوئی تب محبت ریت کی طرح ان کی مٹھی سے پھسل کر بکھر گئی تھی۔

یہ اداسی۔۔۔
تم اسے کہنا۔
ہوا کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
اور صدا ویران پھرتی ہے
میرا بچھڑا ہوا
اجڑے ہوئے شہروں میں اکثر بھاگتا پھرتا ہے
اکثر جاگتا پھرتا ہے
سہایا نہیں ہے
اور اداسی تم اسے کہنا
تم ہی دکھ میں نہیں ہو
ہم بھی اپنی راکھ
ہاتھوں میں لیے سسکیاں لیتی ہوئی
تنہائیوں کے بال کھولے بین کرتے ہیں
اداسی تم اسے کہنا
تمہی دکھ میں نہیں
یہاں پر بھی ہوا کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
خلا جو ذات کی ہر چاردیواری کے اندر ہے

کبھی بھی بھر نہ پائے گا
یہاں بھی۔۔۔
ہر صدا ویران پھرتی ہے

✡ ✡ ✡

حوریہ کا سارا جوش بجھ گیا جب کالج آکر پتا چلا کہ فضا نہیں آئی ہے۔ وہ اسے یہ خبر دینا چاہتی تھی۔۔۔ یہ حیران کن خبر کہ مومنہ پھوپھو کا بیٹا حازم جسے دادا ابا نے دریافت کرلیا ہے اور اس سے مل کر آئے ہیں۔ وہ رات تک دادا کے پاس بیٹھی رہی تھی اور مومنہ کی باتیں کرتی رہی تھی اور حازم کے بارے میں جان کر وہ حیرت کے ساتھ بہت خوش بھی ہوئی تھی۔

وہ پرامید تھی کہ موی پھوپھو ضرور اپنے بیٹے سے ملیں گی مگر کالج آکر فضا کو نہ پاکر وہ مایوس ہو گئی' پھر کالج میں اس کا دل ہی نہ لگا۔ گھر آکر وہ موبائل پر رابطہ کرتی رہی مگر اس کا سیل فون بند آتا رہا۔

"ایسا تو کبھی نہیں ہوا پھوپھو کہ وہ کالج نہ آئے اور مجھ سے کانٹیکٹ بھی نہ کرے۔"

"ارے ہو جاتا ہے۔۔۔ چارج نہیں ہو گا یا کوئی چھوٹا موٹا مسئلہ ہو گا۔ تم بہت گہرائی میں سوچنے لگتی ہو۔" دھاگوں میں الجھی مومنہ ہنس کر بولی۔ پھر دھاگے کی ریل پلیٹ کر دراز میں ڈالتے ہوئے بولی۔

"گھنٹہ بھر بعد کوشش کرنا یا میسج چھوڑ دو۔"

"اس کا سیل فون بند ہی آرہا ہے۔ پتا نہیں کیوں پھوپھو میرا دل گھبرا رہا ہے۔ عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے۔ جیسے کوئی چھوٹا موٹا نہیں کوئی بڑا مسئلہ ہو گیا ہے اس کے ساتھ۔۔۔"

"ارے۔۔۔"

"ہاں پھوپھو۔ وہ جن حالات سے گزر رہی ہے اور اس کا وہ فلرٹی بوائے فرینڈ مجھے اس کی وجہ سے ہزار وہم ہوتے رہتے ہیں۔ کیوں نہ میں اس کی طرف چلی جاؤں۔"

"چلو ٹھیک ہے دھوپ ڈھلنے دو۔ شام کو چلی جانا۔ تب تک ڈرائیور بھی آجائے گا۔" مومنہ نے اسے پیار سے دیکھا۔ یہ بالکل۔۔۔ اسے اپنی جوانی کا پرتو لگی تھی۔ وہ بھی ایسی ہی تھیں۔ حساس۔۔۔ دور تک سوچنے والی اور اپنی ہی سوچوں سے خوف زدہ ہو جانے والی۔

حوریہ کو تو کسی پل قرار نہیں تھا۔ شام تک فضا کا سیل فون بند آتا رہا۔ جوں ہی ڈرائیور گاڑی لے آیا' وہ فضا کی طرف روانہ ہو گئی۔ جہاں آرا۔۔۔ نے ہی دروازہ کھولا اور اسے دیکھتے ہی نخوت سے منہ بنانے کی بجائے خوش دلی سے بولیں۔

"چلو اچھا ہے' تم آگئیں۔ تمہاری اس فرینڈ کو دل جوئی کی بہت ضرورت ہے۔" وہ دروازے کے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے بولیں۔ وہ اندر داخل ہوتے ہوئے ٹھٹکی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ دیکھو ذرا جا کر۔ کیسی اجڑی اجڑی پڑی ہے۔ جیسے سمسٹر میں فیل نہیں ہوئی' آخرت کے کسی امتحان میں فیل ہو گئی ہو بی بی۔" ان کی زبان اسی اسپیڈ (رفتار) سے چلتی تھی۔ حوریہ کو ان کی زبان سے بہت کوفت ہوتی تھی مگر اس وقت کوفت سے زیادہ حیرت ہونے لگی۔

وہ پوچھنا چاہتی تھی۔ کون سا سمسٹر ہوا ہے۔ جس میں وہ فیل ہو گئی ہے مگر وہ چپ رہ گئی۔

"میں دیکھتی ہوں۔ کہاں ہے وہ۔۔۔"

"کہاں۔۔۔ کہاں ہو گی۔ اپنی کال کوٹھری میں ہے کون سا دو ہزار گز کا بنگلہ ہے کہ اسے ڈھونڈنا ہے تم کو۔۔۔"

حوریہ کہہ کر پچھتائی اور گھبرا کر اس کے کمرے کی طرف بھاگ لی۔
"اس کو ذرا عقل دو۔ ہنہ۔۔۔ پیپرز میں کلیئر کہاں سے ہوگی۔ خاک پڑھتی۔۔۔ دن بھر فیشن چل رہے ہوتے ہیں۔ دوستوں کے گفٹس (تحائف) پر عیش ہو رہے تھے اور خدا جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتی پھرتی ہے کالج کے نام پر۔۔۔ ہم تو سوتیلے ہیں بھلائی کے لیے بھی بولیں تو برے اور نہ بولیں تب بھی رسوا کہ ماں تھیں، سمجھایا نہیں۔۔۔ ارے بی بی خاک پڑھائی میں دل لگے گا۔ باپ کی کمائی بس خاک کرنی ہے۔ یہاں کون سنتا ہے میری۔۔۔"
جہاں آرا کی بڑبڑاہٹ۔۔۔ برتنوں کی کھٹ پٹ۔۔۔ سب گڈمڈ ہو رہی تھیں۔
حوریہ نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر چلی آئی۔ چھوٹا سا گھر تھا جہاں آرا کی۔ تیز طرار آواز اندر تک آرہی تھی۔ یقیناً "فضا کو بھی سنائی دے رہی تھی مگر وہ تو تمام آوازوں سے بے نیاز نیم اندھیرا کر کے مسہری پر پڑی تھی۔
"فضا۔۔۔" اس نے کمرے میں داخل ہو کر اسے پکارا' پھر لائٹ کھولی۔ وہ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔
"یہ آنٹی کیا کہہ رہی ہیں' کون سے سمسٹر ہوئے ہیں جس میں تم۔۔۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔ فضا نے سر اٹھا کر حوریہ کو دیکھا تھا اور حوریہ کو لگا وہ فضا تو نہ تھی۔
کھلکھلانے والی' شاعری گنگنانے والی' سوتیلی ماں کی کڑوی کسیلی باتوں کو بے پروائی سے اڑانے والی۔ آنکھوں میں رنگین سپنوں کو سجانے والی' دلکش لمحوں کے تصور میں ڈوبی بھکی ہوئی مسکراہٹ سے سب کچھ پالینے کے خمار میں ڈوبی ہوئی فضا تو یہ تو نہ تھی۔
یہ اس کے سامنے بیٹھی کوئی اور لڑکی تھی کیا۔ آنکھوں میں کسی اجڑے مزار کا بجھا دھواں سمیٹے' چہرے پر برسوں کی تھکن اور ویرانی بھرے۔
"کیا ہوا فضا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ مسہری کے نزدیک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ فضا کے وجود پر ٹھہرا سناٹا یک دم سے ٹوٹا تھا۔ وہ کسی ہمدرد کو پا کر جیسے بکھر گئی۔ دوسرے پل کسی ٹوٹی شاخ کی طرح اس کے گلے جھول گئی تھی۔ حوریہ کے وجود پر ایسا سناٹا چھا گیا جیسے ہوا سے محروم چاند پر ہوتا ہو گا۔
وہ اپنے لٹ جانے کی داستان سنا رہی تھی۔ اپنے خوابوں کے' خواہشوں کے تلاطم' منہ زور لہروں میں ڈوب جانے کی۔ اپنی روح کی موت کی اسے خبر سنا رہی تھی۔ اس کے بوائے فرینڈ اس کے محبوب نے' اپنی نام نہاد محبت کو ہوس کا چولا پہنا دیا تھا۔ وہ بناوٹی خول اتار کر اسی چولے میں اس کے سامنے آگیا تھا جو اس کا اصل تھا۔
آہ۔ یہ محبت کے نام پر فریب دینے والے مرد ہمیشہ ناسور کی طرح اسی زمین پر موجود رہیں گے اور محبت کے نام پر فریب کھانے والی فضا جیسی زر پرست لڑکیاں ایسے مردوں کا نوالہ بنتی رہیں گی۔
"فضا۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ سب۔۔۔" حوریہ کو اس روح فرسا انکشاف نے کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ فضا رو رہی تھی' روتے روتے اس کی آواز بھاری ہو گئی۔ اس نے بس حوریہ کو دیکھا اور پھر افسوس کی اتھاہ میں ڈوبی بولی۔
"تم سچ کہتی تھیں حوب۔۔۔ ایسی بازی لڑکیاں ہار جاتی ہیں پالینے کی خوشی سے زیادہ سب کچھ کھو دینے کا غم مار ڈالتا ہے۔۔۔ میں اتنی کمزور نفس نکلی کہ محض گاڑی' کوٹھی اور چند مادی چیزوں کے آگے عصمت کا سودا کر بیٹھی۔"
"چپ ہو جاؤ فضا۔۔۔ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔" حوریہ نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا پھر مسہری سے اٹھ کر گھبراتے ہوئے جلدی جلدی کھڑکی اور دروازہ بند کرنے لگی کہ کہیں اس کی آواز اور سسکیاں جہاں آرا نہ سن لے۔
وہ ذلت کی جس کھائی سے ہو کر آئی تھی اس کا پتا اس کی سوتیلی ماں کو نہ چل جائے۔ فضا نے اسے بڑی بے فیض

نظروں سے دیکھا پھر اٹھ کر کھڑکی کا پٹ چھونے لگی۔

"اب ان احتیاطوں کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ یہ تو مجھے بہت پہلے کرنی چاہیے تھی۔ ان دروازوں اور دیواروں کی قدر نہ تھی مجھے میں نے انہیں اپنا محافظ نہیں سمجھا' بلکہ حقیر جانا۔ ان میں میرا دم گھٹتا تھا اور آج۔۔۔"

وہ کھڑکی سے لگی دیوار کا سہارا لیے زمین پر بیٹھتی گئی پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مگر اب وہ جتنا بھی ماتم کرتی کم تھا۔ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے مگر اس نے تو کچھ پائے بغیر سب کچھ کھو دیا تھا۔ اسے کب گمان تھا وہ اپنی خواہشوں کے تلاطم میں سرشار جس طرف بڑھ رہی ہے وہ منزل نہیں سراب ہے۔ دھوکا ہے۔۔۔ فریب ہے۔

مگر نہیں' بہت روکا تھا حوریہ نے اسے۔۔۔ بہت سمجھایا تھا مگر اس نے اپنے محبوب کی چاہت' اس کی قربت کے بیتے لمحوں پر کوئی ندامت یا پچھتاوا محسوس نہیں کیا تھا اور اپنی بربادی کی طرف لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے خوش تھی۔ وہ نسوانیت کے وقار سے اتر کر پستی میں بیٹھی تھی اور اسے اپنی کامیابی سمجھتی آرہی تھی۔

ہاں۔۔۔ کوئی مرد' عورت کے سر سے چادر نہیں کھینچ سکتا جب تک وہ خود موقع نہ دے۔ حوریہ اسے پکڑنے لگی' وہ بے بسی کی آخری نہج پر تھی اور اپنے بال نوچ رہی تھی' پھر بے دم ہو کر دیوار پر سر ٹکا کر یک دم چپ ہو گئی۔ شاید اتنا ہی اس کے بس میں تھا۔

"خدایا۔" حوریہ اس کے پاس فرش پر بیٹھ گئی اور اس کا سر اپنی گود میں ڈال دیا کہ شاید اس وقت وہ اتنا ہی کر سکتی تھی۔ جو طوفان آکر گزر چکا تھا۔ وہ اس کی تباہی پر آنسو بہا سکتی تھی مگر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ شاخ سے ٹوٹ جانے والے پھول کو دوبارہ شاخ پر کوئی نہیں جوڑ سکتا' یہ فطرت کے قانون کے خلاف ہے۔

مردہ جسم کو لوگ مٹی میں عزت کے ساتھ دفنا دیتے ہیں مگر زندہ جسم کے اندر پڑی مردہ روح کا بوجھ صرف اسی جسم کو اٹھائے پھرنا پڑتا ہے' یہ بوجھ وہ کسی سے بانٹ نہیں سکتا۔

"قصوروار صرف تم ہی نہیں ہو فضا' وہ شخص بھی ہے۔ وہ شیطان بھی مجرم ہے۔" حوریہ نے اس کا سر اوپر اٹھا کر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما۔

"ہاں فضا۔۔۔ وہ بھی سراسر مجرم ہے۔ مگر اس نے کوئی زبردستی تو نہیں کی۔ اسے یہ سارے مواقع میں ہی دیتی آئی ہوں۔"

"بے شک۔۔۔ مگر راستے میں پڑے ہوئے مال کو غضب کر لینا بھی جرم ہے۔ وہ بھی اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔ اس نے تمہیں خواب دکھائے تھے۔ وعدے کیے تھے۔ رنگینیاں دکھائی تھیں۔ وہ مجرم ہے فضا۔" حوریہ کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس کے بوائے فرینڈ کو کہیں سے پکڑ کر لائے اور تختہ دار پر چڑھا دے۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے' وہ مجرم ہے یا نہیں' اس کا کیا بگڑا ہے۔" فضا اذیت سے ہنس دی۔

"بگڑا نہیں تو بگاڑا جا سکتا ہے۔" فضا پلکیں جھپک کر اسے دیکھنے لگی جیسے اس کی دماغی حالت پر شک ہو۔

"ہاں۔۔۔ میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ تم یوں چپ چاپ ہو کر بیٹھ جاؤ گی اور اسے دوسری لڑکیوں کو برباد کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دو گی۔"

"تو۔۔۔ تو کیا کروں۔۔۔ شور مچا کر دنیا کو اکٹھا کر کے اس کا نام لوں۔۔۔ اپنے لٹنے کی کہانی نشر کروں۔"

"بہرحال سزا اسے ملنی چاہیے' خیر یہ تو بعد کی بات ہے۔ پہلے تم اس سے کہو کہ وہ تم سے فوراً شادی کر لے۔"

"واٹ۔۔۔ شادی۔۔۔ ہا۔۔۔ ہاہا۔" فضا طنزیہ ہنسی۔ "اسے شادی کرنا ہوتی تو مجھے اس کیچڑ میں دھکیلتا ہی کیوں اور اب کیچڑ سے لتھڑے وجود کو وہ اپنائے گا۔ کیسی دیوانوں سی بات کرتی ہو حوریہ۔ تم۔۔۔ تم تو بہت سمجھ دار ہو۔ پھر۔۔۔"

"یہ ضروری ہے۔ تمہیں اس پر ہر حال میں پریشر (دباؤ) ڈالنا پڑے گا۔ کسی بھی طریقے سے۔" حوریہ حقیقتاً"

صدمے سے چور ہو رہی تھی۔ وہ اس اندوہ ناک حادثے میں فضا کو یوں زخمی نہیں چھوڑ سکتی تھی، تاعمر اس آگ میں جھلستا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"ادھر آؤ۔۔۔ اور سکون سے سنو میری بات۔" حوریہ نے اسے پکڑ کر مسہری پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔

"تم نے اپنے اردگرد جو آگ دہکا دی ہے اس میں تمہارا وجود جل رہا ہے اور وہ سکون سے اپنی زندگی میں مزے اڑا رہا ہے۔ نہیں فضا تھوڑی ہمت پکڑو۔ جو نقصان ہو چکا ہے اس کی تلافی تو ممکن نہیں ہے مگر اب جو تمہیں فیس کرنا ہو گا یہ بھی کسی عذاب سے کم نہ ہو گا۔"

"تو کیا وہ مجھ سے شادی کر لے گا۔" فضا کے بجھے ہوئے سینے میں جیسے کوئی چنگاری بھڑکی مگر دوسرے پل شعلہ بننے سے پہلے بجھ گئی۔

"نہیں حور۔۔۔ وہ آخری لمحوں میں مجھ سے کہہ رہا تھا' تم میرے اندازے سے بھی زیادہ کمزور نفس اور بری لڑکی نکلیں۔"

"کمزور نفس نہ ہوتیں تو اس کے ہاتھ آسانی سے کیسے آجاتیں۔۔۔ خیر۔۔۔" وہ اس کے کندھے پر تسلی آمیز دباؤ ڈال کر رہ گئی۔

"یہ تو دیوانے کا خواب ہو گیا۔ اجاڑنے والے بھی کبھی آباد کرتے ہیں گھروں کو بھلا۔"

"تم کوشش تو کرو۔ اس کو واسطہ دو۔ انسان کا دل ہے' کہیں سے تو پگھلے گا ہی۔۔۔" حوریہ اسے گھپ اندھیرے میں روشنی کی کرن دکھا رہی تھی۔ بجھتے دیے میں تیل ڈال کر روشنی پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ اتنی بجھی ہوئی تھی کہ سوائے دل دوز تاریکی کے اپنے اردگرد کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

"ایک کوشش تو کر لو بات کھل جائے اس سے پہلے۔"

"کیا ایسا ممکن ہے۔" اس نے بے فیض نظروں سے حوریہ کو دیکھا پھر جیسے خود آزاری کی کیفیت میں مسہری کی پشت پر سر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ کر آنکھیں میچ لیں۔

کمرے میں چند لمحے بوجھل خاموشی طاری رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور حوریہ کو دیکھا۔

"کیا تم میرا یہ کام کر سکتی ہو۔" ایک موہوم سی امید اس کی آنکھوں میں ابھری تھی۔

"میں۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ تم اس سے بات کرو۔ اس کو کہو اس لیے کہ میں تو اب سر اٹھا کر اس کے سامنے ایک لمحے کو بھی کھڑی نہ رہ پاؤں گی۔ مجھے یقین ہے' تم مجھ سے بہت پیار کرتی ہو۔ بے غرض پیار' تم میری بچی ہمدرد ہو۔ میں تمہارا یہ احسان عمر بھر نہیں بھولوں گی۔

بولو حوریہ۔۔۔ میرے اندر اگر جینے کی امنگ جگا رہی ہو تو پیچھے نہ ہٹ جانا۔ ہاتھ پکڑ کر مجھے ان تند لہروں سے نکالنے کی کوشش کر رہی ہو تو میرا ساتھ دو۔ اکیلا مت چھوڑو مجھے۔" حوریہ دم سادھے رہ گئی تھی۔

یہ فضا کیا کہہ رہی تھی۔ وہ اس شیطان صفت کے سامنے جا کر فضا کے لیے بھیک مانگے۔

"پلیز حوریہ۔۔۔ انکار مت کرنا۔"

"میں۔۔۔ مگر میں کیا کہوں اس سے۔"

"تم اس سے یہ تو کہہ سکتی ہو کہ وہ مجھ سے شادی کر لے۔ مجھے برباد تو کر ہی دیا ہے' اجاڑ تو دیا ہے' کم از کم میرے باپ کی عزت ہی رکھ لے۔"

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حوریہ کو اسے چپ کرانے کا بھی یارا نہ رہا۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے

اسے دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

عباد گیلانی نے ایک عجیب سی خواہش کردی تھی۔ یاور علی پریشان ہوگئے۔
وہ گڑگڑا کر کہہ رہا تھا کہ وہ ایک بار مومنہ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس سے مل کر معافی مانگنا چاہتا ہے، جانے کتنی سانس باقی رہ گئی ہیں۔ شاید اس اضطراب سے چھٹکارا پانے کے بعد میری چند سانسوں میں اضافہ ہوجائے۔
کیسی آس مندانہ نظریں تھیں۔ "تفاخر" سے گردن اکڑا کے رکھنے والا "اتنی لجاجت سے بات کررہا تھا۔ یاور علی ماضی اور حال کا موازنہ کررہے تھے۔
انسان کی طاقت، اختیار اثر رسوخ اور اللہ کی طاقت اختیار کا فرق واضح تھا۔ وہ پوری رات بے چینی سے کروٹ بدلتے رہے۔ یہ سوچتے رہے کہ مومنہ کو کیسے راضی کریں۔ وہ عباد گیلانی سے کیسے ملنے کو تیار ہوگی۔ یاور علی نے چپ سادھ لی اور اسی چپ سے مایوس ہوکر عباد گیلانی نے حازم سے اس خواہش کا اظہار کرڈالا۔
"کیا ہوگیا ہے پاپا آپ کو۔ جب منزل ہی نہیں رہی تو ان راستوں پر سفر کرنے کا کیا مقصد رہ جاتا ہے۔ میں آپ کو وہاں کیسے اور کیوں کرلے کر جاؤں۔" وہ خائف دکھائی دینے لگا۔
ایک تو یوں بھی صبح اٹھتے ہی عاظمہ اور بابر کے لڑائی جھگڑوں نے اسے بدمزا کرکے رکھ دیا تھا۔ گھر جاتا تو عاظمہ کی شکایتیں ہوتیں۔
"بابر کو سمجھاؤ۔ وہ خود سر اور منہ پھٹ ہوگیا ہے۔ اسٹڈی پر انٹرسٹ (دلچسپی) لے رہا ہے نہ کاروبار میں اس کا دھیان ہے، جانے کہاں کہاں آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے۔"
اب وہ عاظمہ کو یہ کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ سب ان کی اپنی لاپروائیوں اور بے راہ روی کا نتیجہ ہے۔ ہاسپٹل آتا تو عباد گیلانی کا اصرار کہ مجھے ایک بار مومنہ کے پاس لے جاؤ۔
"وہ تمہاری ماں ہے حازم... تمہاری بات ضرور مانے گی اور مجھ سے ملنے سے انکار نہیں کرے گی۔" وہ کیوں ملنا چاہتے تھے۔ اب کیا جواز رہ جاتا تھا۔
"یہ تو مدفون جذبوں کو ہوا دینے والی بات ہوگی۔" وہ ریلنگ سے لگ کر سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگاتے ہوئے حقیقتاً "الجھا ہوا تھا۔ بستر مرگ پر پڑے باپ کی خواہش ایک طرف "ان مدفون شعلوں کو پھر سے ہوا دے کر زخمی ہونے کے مترادف تھا۔ ماں سے ملنے کا موقع...
ماں... یہ لفظ دل میں کوئی خوشی کا احساس پیدا نہیں کررہا تھا۔ بس دھندلا دھندلا سا کوئی جذبہ... جس کی کوئی واضح صورت نہ تھی۔
اسی نے سگریٹ بجھا کر ریلنگ سے نیچے کیاری میں پھینک دی اور دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کا باپ آس نراس کی کیفیت میں اس کے جواب کا منتظر تھا۔ اس نے ایک مضمحل سی سانس سینے کی تہہ سے خارج کی اور ڈھیلے قدموں سے کمرے میں آگیا۔

☼ ☼ ☼

حوریہ ساری رات بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی۔ صبح ہوئی تب بھی اس پر بے کلی طاری تھی۔ وہ کالج نہ جاسکی تھی۔ رات بھر کی بے خوابی نے اسے بے حد سست اور پژمردہ سا کردیا تھا۔
فضا کے ساتھ پیش آنے والے اس اندوہ ناک حادثے نے اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفلوج کرکے رکھ دی تھیں اور اب فضا کا یہ اصرار... وہ اس لڑکے سے مل کر اس سے شادی کی بات کرے۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری۔ اتنی دیر تک تو سوئی نہیں کبھی تم۔" رقیہ بھابھی نے کمرے میں جھانکا اسے جاگتے دیکھ کر اندر آگئیں۔
مومنہ بھی تمہارا پوچھ کے گئی ہے کالج نہیں جانا تھا کیا؟ چلو اٹھ گئی ہو تو باہر آجاؤ۔ مومنہ نے بھی ناشتا نہیں کیا ہے اس کے ساتھ ہی کرلو۔"
"جی۔ میں منہ دھو کر آتی ہوں۔" وہ بال سمیٹ کر بیڈ سے اتر گئی۔
جب باہر آئی تو مومنہ تخت پر بیٹھی تھی۔
"کالج نہیں گئیں۔" وہ چائے مگ میں انڈیلتے ہوئے بولی۔
"بس آج دل چاہ رہا تھا چھٹی کرنے کو۔" وہ مگ اٹھا کر گلاس وال کی طرف چلی گئی۔ یہاں سے کھلا کھلا صاف ستھرا صحن دکھائی دے رہا تھا۔ گملوں میں لگے پودوں پر خوب رونق اتری ہوئی تھی۔
"ناشتا کرو۔ کیا خالی خولی چائے پیوگی۔" رقیہ بھابھی کچن کی جالی سے اسے دیکھتے ہوئے ڈپٹنے لگیں۔ اس نے جواب نہیں دیا۔
فضا کے آنسو اس کا گڑ گڑانا۔ اسے بے حد اداس کر رہا تھا۔ وہ حقیقتاً" اس کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس کے بوائے فرینڈ سے خود ملنے جانے کا تصور ہی اسے خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔
وہ جس قماش کا آدمی تھا وہ تو اس پر ظاہر ہو ہی چکا تھا۔
وہ تذبذب کا شکار تھی کہ فضا کو کیا جواب دے۔ اس نے ایک گہری سانس بھری اور پیشانی گلاس وال پر ٹکا کر باہر صحن کو گھورنے لگی۔
مومنہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تخت سے اٹھ کر اس کے نزدیک چلی آئی۔
"کیا بات ہے تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔" ان کا ہاتھ اس کے نرم گداز کندھے کو سہلانے لگا۔
وہ ایک خفیف سی سانس بھر کر پلٹی۔
"کل ٹیسٹ ہے نا میرا' سوچ رہی تھی کہ آج کالج چلی جاتی تو اچھا ہوتا فضول چھٹی کرلی۔ کچھ پڑھائی ہی ہو جاتی۔"
وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ پہلی بار وہ اپنی پریشانی ان سے شیئر نہ کرپائی تھی۔ پتا نہیں کیوں فضا کے ساتھ پیش آنے والے اس حادثے کا وہ انہیں نہیں بتاپائی۔
"چلو اب تو چھٹی کر ہی لی ہے تو۔ سوچنا کیا۔ آؤ ناشتا کرلو۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"
"ارے پھوپھو آپ نے اب تک ناشتا نہیں کیا۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر آکر بیٹھ گئی رقیہ بھابھی نے وہیں ناشتا رکھ دیا تھا۔
"پراٹھا بنا دوں مومی۔"
"اوہوں۔ نہیں میں تو نہیں کھاؤں گی۔ حوریہ کے لیے دے دیں۔"
"نہیں نہیں امی۔ میں بریڈ کھاؤں گی۔"
"یہ کہاں کھائے گی پراٹھا۔ اسے تو اپنی پھوپھو کی طرح اسمارٹ ہی رہنا ہے نا۔ ماں کی طرح موٹی تازی نہیں ہو جانا۔" رقیہ بھابھی ہنستے ہوئے بولیں۔ مومنہ بھی مسکرانے لگتی ہے۔
"امی اب آپ۔ اتنی موٹی بھی نہیں ہیں۔" حوریہ انہیں چھیڑتے ہوئے بولی اور مومنہ کو آنکھ ماری ہے۔ رقیہ بھابھی دونوں کو گھورتی ہیں اور مسکرا دیتی ہیں۔
حوریہ ناشتا کرکے اٹھ گئی تو مومنہ برتن سمیٹنے لگی تو رقیہ بھابھی اسے روکتی ہیں۔

"تم رہنے دو مومنہ۔ میں سمیٹ لیتی ہوں۔" وہ کچن سے باہر آتی ہیں۔
"ہاں تو ملازمہ بھی بس آتی ہی ہو گی۔ اب دیر سے آنے لگی ہے ایک اور کام باندھ لیا ہے اس نے۔ اپنی بیٹی کو دن رات رکھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں نے کہا چھوڑ جانا دیکھ لیتی ہوں۔"
"ہاں یہ اچھا رہے گا۔" مومنہ تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے جواباً بولی اسی دم فون کی بیل ہونے لگی یاور علی بھی اسی طرف آرہے تھے۔ مگر اس اثنا میں مومنہ ریسور اٹھا چکی تھی۔
"وعلیکم السلام!" وہ اپنی مخصوص نرم آواز میں بولی دوسری طرف سلام کا جواب دے کر اپنا تعارف کرایا جارہا تھا۔
"میں حازم گیلانی بات کر رہا ہوں' کیا میں مومنہ یاور علی سے بات کر سکتا ہوں۔ یہ یاور علی صاحب کا ہی گھر ہے نا۔" دھیمی مگر بھرپور مردانہ آواز۔
"حازم....." مومنہ کو اپنا دل کسی مفلوج پرندے کی طرح پھڑپھڑاتا محسوس ہوا۔ اتنے برسوں بعد جیسے وہی مانوس سی آواز کانوں سے ٹکرائی تھی۔
اس کے شریانوں میں خون کی گردش سمندر کی سوچوں کی طرح تیز ہو کر ٹھوکریں مارنے لگی تھی۔
"کیا میں مومنہ یاور علی سے بات کر سکتا ہوں۔" ماؤتھ پیس سے دوبارہ آواز گونجی مومنہ کچھ دیر اعصاب شکن احساس کے ساتھ یونہی کھڑی رہی پھر اس کے ہاتھ کی گرفت ریسیور پر ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے قریب آتے یاور علی کو ریسیور پکڑا دیا اور پلٹ گئی۔ اور اضطراری انداز میں ریلنگ کے پاس جا کھڑی ہوئی جہاں کچھ دیر پہلے حوریہ کھڑی تھی۔
وہ اپنے منتشر اعصاب سمیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔
یہ اس کے بیٹے حازم کی آواز تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔
کیا بات؟ اور کیوں؟۔
کیا وہ اسے جانتا ہے' اتنے سالوں بعد اسے کیا ماں کی یاد آئی ہے یا دلائی گئی ہے یا فون کرنے کی کوئی اور وجہ۔
کہیں عباد کی موت کی خبر۔ اف
اس کا دل اپنی ہی اس سوچ پر لرز گیا اس نے گھبرا کر ایک لمبی سانس کھینچی اور چہرہ موڑ کر دیکھا یاور علی فون بند کر چکے تھے اور اس کی طرف آرہے تھے رقیہ بھابھی اور حوریہ اپنی جگہ کھڑے تھے' یہ صورت حال ان کے لیے بھی انہونی تھی۔ یاور علی کے چہرے پر غیر معمولی پن تھا۔ وہ مومنہ کے نزدیک آئے۔
"حازم تھا۔ تم نے اس سے بات کہیں کی۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔" یاور علی کا لہجہ اندرونی خوشی سے لبریز تھا۔
"حازم۔ تمہارا اپنا بیٹا مومنہ۔ وہ تم سے ملنے آنا چاہتا ہے۔"
انہوں نے اپنا خوشی سے کانپتا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا مومنہ یاور علی کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ کوئی انہونی خبر دے رہے ہوں۔
"کیا..... واؤ۔ حازم۔ مومنہ پھوپھو کے بیٹے حازم۔" حوریہ خوشگوار حیرت سے چیخ کر بھاگ کر ان دونوں کے پاس آئی۔
مومنہ نے ایک نظر یاور علی اور حوریہ کی طرف دیکھا اس کے دھیان کی رو کہیں اور بہہ رہی تھی پھر جیسے اپنے دل سے اٹھنے والی لہر کو دباتے ہوئے بولی۔
"وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ کیا اپنے باپ کی معافی تلافی کے لیے۔"

"بات جو بھی ہو۔ تمہارا بیٹا تم سے ملنا چاہتا ہے کیا تمہیں اس سے ملنے کی تمنا نہیں ہے۔" یاور علی اس کے چہرے پر پھیلنے والے اجنبیت کے سایوں کو دیکھ رہے تھے۔

مومنہ کے دل سے ایک کراہ چھیدتی ہوئی نکل گئی وہ افسردگی سے ہنس پڑی۔

"اپنی حیثیت 'اپنے رتبے کو منوانے کے لیے اتنے سالوں کا کاٹ دار سفر طے کرنا پڑا ہے کہ اب اپنے ماں ہونے کا گمان تک نہیں رہا۔ صاحب اولاد ہوں اس کا گمان تک مٹ گیا ہے۔"

رقیہ بھابھی نے تڑپ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ایسے نہ کہو مومی۔"

"اسے کہہ دیجیے بابا جان کہ اگر وہ صرف بیٹا بن کر اور ایک ماں کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے آنا چاہتا ہے تو میں اس سے ملنے کے لیے حاضر ہوں۔ اگر وہ اپنے باپ کا بیٹا بن کر۔ اس کی معافی تلافی کے لیے 'مجھ سے بھیک مانگنے آنا چاہ رہا ہے تو اسے منع کر دیں۔"

وہ یک دم خود کو ہر احساس سے باہر نکال کر بے لچک لہجے میں بولی۔

یاور علی کو اس جواب کی توقع نہیں تھی وہ اس کی طرف دیکھتے رہ گئے۔ مومنہ ان سے نظریں چرا کر جانے لگی کہ وہ جلدی سے بولے۔

"ٹھہرو.... میں تمہاری اس سے بات کرا دیتا ہوں تم خود اسے یہاں آنے سے روک دو۔ میری اندر کا باپ اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ اس خوشی کے کھلنے والے دریچے کو پکڑ کر بند کر دے۔

اس گھپ اندھیرے میں تمہارے لیے وہ روشنی نہ سہی میرے لیے ایک ننھی سی خوشی کی کرن ضرور ہے۔ تم چاہو تو مجھے۔ اندر باہر سے بے نور کر دو۔ آجاؤ۔ بات کرو اس سے اور روک دو اسے یہاں آنے سے۔"

وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے فون اسٹینڈ کی جانب بڑھے۔

حوریہ نے اسے اس اقدام سے باز رکھنے کی غرض سے مومنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور یاور علی کو دیکھا سیہ دادو کیا کرنے جا رہے تھے۔

مومنہ چبھتی دہکتی نظروں سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی بھوری آنکھوں کے کانچ پر آتی دھندلاہٹ تھی کہ یاور علی کو ایک پل اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔ مگر انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"میں اس گھر کے دروازے اس پر بند نہیں کر سکتا۔ وہ میرا نواسا ہے' چاہے تم قبول کرو یا نہ کرو۔ اس سے بات کرو نہ کرو۔ چاہے اسے یہاں آنے سے روک دو۔ میرا رشتہ اس سے اٹل ہے۔"

مومنہ اعصاب شکن احساس سے خاموش کھڑی رہی۔ پھر اس خامشی سے وہ کمرے سے چلی گئی۔

حوریہ نے اس بند دروازے پر نظر ڈالی جہاں مومنہ جا کر بند ہو گئی تھی پھر اس نے یاور علی کو دیکھا اور ان کے کندھے پر تسلی آمیز دباؤ ڈالا۔

"وہ بھی پھوپھو پریشان ہیں یہ سب اچانک ہے ان کے لیے۔ شاید اس لیے...."

یاور علی کے چہرے پر بے چارگی کا رنگ پھیلا ہوا تھا حوریہ کو دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"جو بھی ہے۔ میں حازم کو یہاں آنے سے ہرگز نہیں روکوں گا۔ چاہے اس کے آنے کا جو بھی مقصد ہو۔ مومنہ تو پاگل ہے.... حوریہ۔ تم اسے سمجھاؤ ساری زندگی تو اس ایک غم کے سوگ میں گزار دی۔ لاحاصل کی دھوپ میں سلگ سلگ کر اپنی جوانی کو جلا ڈالا۔ مگر اولاد کی کمی بھلا ختم ہوتی ہے یہ آگ بجھتی ہے۔

پوچھو اس سے وہ اس دہلیز پر بیٹھ کر کس کا انتظار کرتی رہی ہے۔ عباد کا تو نہیں نا۔ حازم کا ہی۔ اس کی آنکھیں اس کو ایک نظر دیکھنے کو ترستی رہی ہیں۔ ماں کا دل اور آنکھیں کبھی مایوس نہیں ہوتیں۔ اور آج جب وہ آرہا ہے

برسوں کی تمنا پوری ہو رہی ہے تو وہ پاگل روشنی کا خوشی کا در بند کر رہی ہے۔ حوریہ کوئی بادل اس طرف آئے گا برسے گا تو ہی یہ حبس، یہ گھٹن ختم ہو گی نا۔"

"آپ۔ آرام کریں۔ میں انہیں ایسا کرنے ہرگز نہیں دوں گی۔" اس کا لہجہ تسلی دیتا ہوا تھا۔ یاور علی اپنی اسٹک پر کانپتے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئے۔

✲ ✲ ✲

بابر نے اپنا سیل فون ٹیبل پر پھینکا اور جوتوں سمیت صوفے پر دراز ہو گیا اور ادھر ادھر بکھرے کشنوں سے ایک کشن اٹھا کر سر کے نیچے دبایا اور سگریٹ سلگا کر اس کے ہلکے ہلکے کش لگانے لگا۔

"بابر۔ تم کب آئے۔" عاطمہ نے اندر جھانکا مگر وہ یونہی بے دلی سے سگریٹ پیتا رہا۔

"خبر ہے تمہیں۔ تمہارے پاپا کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی ہے کیا کرتے پھر رہے ہیں۔"

اس نے فقط بھنویں اچکا کر ماں کو نظر بھر کر دیکھا۔

"ارے اس عورت سے معافی تلافی کرتے پھر رہے ہیں جسے 22 سال پہلے چھوڑ چکے ہیں۔" وہ کشن ہٹا کر اس کے پیر ایک طرف ہٹا کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

"سمجھ نہیں آ رہا۔ یہ عباد خود کو اتنا کیوں گرا رہا ہے اس مڈل کلاس گھرانے کے آگے جس سے اس کا اب کوئی واسطہ نہیں۔ اور اس پر یہ کہ حازم اپنے باپ کی ہر خواہش بلا چوں چرا ماننے پر کمر بستہ ہے۔" بابر نے بے ساختہ ایک متاسفانہ سانس کھینچ کر عاطمہ کو دیکھا۔

"معافی ہی مانگ رہے ہیں نا نکاح تو نہیں کر رہے ہیں جو آپ اتنی بوکھلائی ہوئی ہیں۔ کم آن مما یہ ان کی پرسنل فیلنگز (احساس) ہے اور آفٹر آل حازم کا تو وہ خون کا ریلیشن (رشتہ) ہے نا۔ وہ اس کی ماں ہے۔" پھر ہنس کر بولا۔ "پاپا کو اب اپنی آخرت کی فکر پڑ گئی ہے وہ اسے سنوارنے کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ آئی تھنک وہ گلٹی فیل کر رہے ہیں۔"

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" عاطمہ نے تڑخ کر اسے شاکی نظروں سے دیکھا اور صوفے سے اٹھنے لگیں تو بابر نے ہنسی روکتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بیٹھیے ادھر۔ ہر وقت غصہ نہ کیا کیجیے، غصہ صحت کے لیے مضر ہے۔ یہ وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتا ہے۔" اس کے انداز میں شرارت تھی۔

"کیا.... میں بوڑھی نظر آ رہی ہوں تمہیں۔"

"ارے رے۔ بوڑھی ہوں آپ کی دشمن خواتین۔" خدانخواستہ میں آپ کو بوڑھا نہیں کہہ رہا مگر اس خطرے کا احساس دلا رہا ہوں، اگر اسی طرح غصہ کرتی رہیں تو بوڑھی ہو سکتی ہیں۔"

"چالاک نہ ہو تو۔" وہ ہنوز اسے مصنوعی خفگی سے گھورتی رہیں پھر یک دم اسی جون میں آتے ہوئے بولیں۔

"مذاق چھوڑو۔ تم نہیں جانتے میں کتنی پریشان ہوں۔ تم کم عمر ہو۔ مگر میں نے دنیا دیکھی ہے۔ تمہارے باپ کا پھر سے اس گھر سے تعلق جڑنا مجھے خطرے کا سگنل دے رہا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں مام۔" بابر نے استفہامیہ نظروں سے عاطمہ کو دیکھا۔

"وہ حازم کی سگی ماں ہے کل کلاں اس کا جائیداد میں حصہ دینے کا سوچ لیا تمہارے پاپا نے پھر۔"

"وہ کم آن ماما۔ جائیداد میں کیسا حصہ۔ پاپا اور ان کی ڈائیورس (طلاق) ہو چکی ہے۔" بابر نے لاپروائی سے ان کی بات سنی ان سنی کر دی۔ مگر عاطمہ ہنوز سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"اس کا حصہ نہ سہی۔ مگر عباد کی ڈیتھ (انتقال) کے بعد حازم ہو سکتا ہے اسے اس گھر میں لے آئے۔ آخر آل وہ اس کی ماں ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ اس کا اس کی ماں سے ملنا ملانا شروع ہو جائے۔ جس رشتے پر برسوں خاک پڑی رہی۔ اب اس عمر میں اس خاک کو ہٹا کر اس میں سے شعلہ جلانے کی کیا ضرورت ہے عباد کو۔"

وہ اپنا ماتھا۔ جیسے پیٹتے ہوئے بولیں پھر بابر کو دیکھا۔

"کیا میں یہ سب جو بکواس کر رہی ہوں کب سے۔ تمہاری کچھ سمجھ میں آیا یا نہیں۔" پھر جیسے خود ہی جواب دیتے ہوئے بولیں۔

"تمہارے پاس تو فالتو ٹائم ہونے کے باوجود بزنس دیکھنے کا ٹائم نہیں' بس اپنی عیاشیوں میں پڑے رہتے ہو۔ سارا بزنس حازم کے ہاتھ میں ہے کل کلاں وہ پورا خاندان ادھر براجمان ہو جائے گا اور ہم دونوں کو ایک سائڈ کر دے گا۔"

عاظمہ کے لہجے میں تشویش تھی اب کے بابر بھی ان کی اس بات پر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔

"او وہ بات تو آپ کی کچھ کچھ دل پر لگ رہی ہے۔" پھر سر خفیف سے انداز میں جھٹکتے ہوئے بولا۔

"مگر میرا نہیں خیال مما کہ حازم اتنے برسوں کے بعد ان رشتوں کو اتنی امپورٹنس (اہمیت) دے گا اپنی ویسے آپ ٹینشن مت لیں۔ میں ہوں نا۔"

وہ پھر صوفے پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ اسے اس وقت نیند کی طلب ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تنہائی چاہتا تھا مگر عاظمہ نے اس کی تنہائی میں مخل ہو کر اسے جیسے بدمزہ کر دیا تھا۔

"اونہہ۔ تم ہو۔ تم اتنے ایبل (قابل) ہوتے تو بات ہی کیا تھی۔"

عاظمہ نے اسے طنز سے دیکھا اور آئینے کے سامنے جا کر بالوں میں لگے رولر کو ہلکے ہلکے دبانے لگیں۔

"آج آپ سوئے اتفاق گھر پر کیوں دکھائی دے رہی ہیں آئی مین کوئی تقریب کسی کی برتھ ڈے پارٹی۔ کوئی سیمینار وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ گھر پر نہ بیٹھا کریں الٹا سیدھا سوچتی رہتی ہیں۔"

وہ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ میرا سر کھاتی رہتی ہیں مگر وہ انہیں مزید یہ غصہ دلانا نہیں چاہتا تھا۔

عاظمہ نے ایک بھنچی بھنچی سانس بھری ان کے چہرے کے زاویوں میں کھنچاؤ آگیا تھا۔

"کوئی سننے والا نہیں ہے میرا۔ جب سر پر پڑے گی تب پتا چلے گا۔ سگی اولاد ایسی ہے تو سوتیلے پر کیا ٹرسٹ (بھروسا) کروں۔ مرتے مرتے عباد میرے پیروں سے زمین کھینچ کر لے جائے گا۔ دیکھ لینا تم۔"

وہ جلتی کڑھتی کمرے سے نکل کر دروازہ اپنے پیچھے دھاڑ سے بند کر گئیں۔

بابر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ اس نے اپنی کھڑی ستواں ناک پر ہلکے سے انگلی پھیری۔ جو اس کی عادت بن گئی تھی۔ پھر ایل سی ڈی کا ریموٹ اٹھالیا۔

اس کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔ اس نے سیل فون کو گھورا۔ پھر جو نمبر دکھائی دے رہا تھا اسے دیکھ کر اس کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔

بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ اس نے ناچار موبائل اٹھالیا اور ہیلو کہا۔

دوسری طرف ایک نا آسودہ آواز ابھری۔

"مجھے پتا ہے تم مجھ سے بات کرنا نہیں چاہتے۔"

"جب پتا ہے پھر یہ زحمت کیوں کی۔" وہ رکھائی سے بولا اس کا لمبا چوڑا وجود صوفے پر بے تکے پن سے پڑا ہوا تھا۔

"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

اوہ۔ وہ سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کے تراشیدہ ہونٹوں کے درمیان استہزائیہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"میرا تو خیال تھا اس خوب صورت بھرپور ملاقات کے بعد تم میرا منہ تک دیکھنا گوارا نہیں کرو گی" وہ ہنسا پھر بولا۔

"چلو تم چاہتی ہو تو ایسی ملاقات کا سواد اٹھا لیتے ہیں ایک بار پھر۔"

"با... بر..." وہ چلائی۔ "آہستہ۔ سن رہا ہوں۔ چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بڑا برا لگا۔ تمہیں۔"

"تم جو سمجھ رہے ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"میں تو کچھ نہیں سمجھ رہا۔ تم ملنا چاہتی ہو۔ تم نے ہی ملنے کی بات کی۔"

"ہاں۔ مگر میں ملنا چاہتی ہوں اسی کیفے ٹیریا میں جہاں ہم چائے پینے جاتے تھے۔ یہ ملنا ضروری ہے۔ کیا تم آسکتے ہو وہاں۔" وہ اس کی تضحیک آمیز رویے کو تحمل سے برداشت کرتے ہوئے بولی۔

"ہوں۔ کیفے ٹیریا میں کیوں ڈارلنگ جگہ تو وہ بھی بری نہیں تھی جہاں ہم اس روز ملے تھے۔"

"ایکچوئیلی میں اپنی ایک فرینڈ سے تم کو ملوانا چاہ رہی ہوں۔ وہ ملنا چاہتی ہے تم سے۔"

"واؤ۔" بابر کے ہونٹ یک دم سیٹی کے انداز میں سکڑے اس نے اپنے موبائل کو یوں دیکھا جیسے وہ کوئی انہونی چیز ہو۔ دوسرے پل وہ ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"کہیں تمہاری وہی فرینڈ تو نہیں ہے۔ جس کے بارے میں تم مجھے ایک بار بتایا تھا وہ جو تمہیں بڑی نصیحت وصیت کرتی رہتی ہے۔ سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔"

اس کا لہجہ سراسر مذاق اڑاتا ہوا تھا۔ پھر یک دم ہنستے ہوئے بولا۔

"کہیں اس کا دل تو مجھ پر نہیں آگیا۔" وہ اپنی ہی باتوں پر گویا محظوظ ہو رہا تھا۔

دوسری طرف۔ لائن میں چند لمحے خاموشی رہی۔ بابر نے ہلکے سے موبائل پر انگلی بجائی۔

"کیا تم کل آرہے ہو پھر۔" وہ تحمل سے بولی۔

"دیکھے.... بات تم نے کچھ ایسی کردی ہے۔ ڈیر کے اب ملنے کی طلب بڑھ گئی ہے۔ پھر کیا خیال ہے کل سیٹ کروں وہ جگہ....."

"بابر.... پلیز...." وہ جیسے زچ ہو گئی۔

"ہم کیفے ٹیریا مل رہے ہیں۔" دوسری طرف یہ کہہ کر فضا نے فون رکھ دیا۔

بابر نے ہلکے سے سیٹی بجائی اور موبائل سائیڈ ٹیبل پر پھینکا اور کشن گود میں دبا کر صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اس کی آنکھوں میں خمار اترنے لگا۔

کچھ عورتوں کا حصول کتنا آسان ہوتا ہے چند کھنکتے سکوں جیسے جملوں میں اپنا آپ سونپ دیتی ہیں۔ کچھ اجنبی آشنا لمس سے ریشم کے تھان کی طرح کھل کر اپنا آپ سونپ ڈالتی ہیں اور کچھ محبت کے ساتھ مادہ پرست بھی ہوتی ہیں۔ خواب، محبت مادی روپ میں پا کر زیادہ مسرور ہوتی ہیں۔ خواہشوں کی ڈور تھامے تھامے جذبات کے دھارے میں بھی خود کو کیش کرانا نہیں بھولتیں۔

ان میں ایک نام فضا تنویر کا بھی تھا۔ ایسی عورت کا نہ دل خوب صورت ہوتا ہے نا اس کی محبت میں چاشنی ہوتی ہے۔ وہ صرف ایسا لباس ہوتی ہیں جسے ایک بار پہن کر دوبارہ پہننے کو دل نہیں کرتا۔

بابر کی شریانوں میں خون کے ساتھ فضا تنویر کے لیے حقارت اور نفرت دوڑ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

فیصلوں کی ندامت سے
تکلیف وہ دکھ نہیں ہوتا

وقت کے دشت بے برگ میں
واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا

کہتے ہیں ادراک کا ایک لمحہ پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے مگر اپنے ساتھ یا تو زندگی کی ساری رعنائی' دلکشی سمیٹ کرلے جاتا ہے یا پھر رنگ روشنی خیرات کرجاتا ہے۔ عباد گیلانی پر ادراک کا لمحہ جب وا ہوا جب سارے پتے اس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ بڑھتی عمر کے ساتھ اسے بہت قیمتی شے کے کھودینے کا احساس ہوا تھا۔ ایک خلا' ایک کمی جیسے جسم و جاں سے لپٹ کر رہ گئی تھی اور عمر کے اس حصے میں تو۔۔۔ وہ خود کو بے آب و گل صحرا کی طرح محسوس کررہا تھا۔ جسے مومنہ یاور علی کے ٹھنڈے میٹھے سایہ دار وجود کی ضرورت شدت سے محسوس ہورہی تھی۔
"مگر اب وہ اس کے لیے شجر ممنوعہ تھی مگر وہ اس سے اپنے کیے کی ایک بار معافی مانگ کر اپنے دل پر رکھے بوجھ کو کچھ کم کرنا چاہتا تھا۔ جب حازم نے اس سے کہا کہ "ہم آج شام جارہے ہیں میں نے ڈاکٹر زمان سے بات کرلی ہے۔" اسے لگا جیسے دل کے خاموش سناٹے میں ساز سے بج اٹھے ہوں۔
انہیں برسوں بعد کوئی خوشی ملی ہو۔
کوئی البیلی مہکتی خوشی۔
برسوں کا جمود ٹوٹا ہو۔
اکتائے ہوئے افسردہ اندھیرے کا دم ٹوٹا ہو اور جگر جگر کرتی روشنیاں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیل گئی ہوں۔ حازم نے ان کا چمکتا چہرہ دیکھا۔ وہ بچوں کی طرح خوش و خرم دکھائی دے رہے تھے۔
اس نے سوچا یہ کیسی لہر ہے۔ جس نے پاپا کے بجھے ہوئے وجود کو زندگی بخش دی۔ فقط ان سے ملنے کا سوچ کر ہی وہ اتنے خوش باش دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا اس عورت کا وجود حقیقتاً" ایسا ہی ہے جیسا پاپا کی آنکھوں میں دکھائی دے رہا ہے۔
"حازم کیا تمہاری اس سے خود بات ہوئی ہے۔ اسے علم ہے اس بات کا کہ میں چند دنوں کا مہمان ہوں اس دنیا میں۔۔۔" گاڑی میں بیٹھے راستے بھر وہ بچوں کی طرح اس سے سوالات کرتے رہے۔
"آپ چند دنوں کے مہمان نہیں ہیں پاپا۔۔۔ آپ کی زندگی بہت لمبی ہے' یہ دیکھیں آپ کیسے تازہ دم دکھائی دے رہے ہیں۔ کہیں سے لگتا ہے کہ آپ بیمار ہیں۔"
حازم کی خوش نما آنکھیں جیسے کسی شفیق باپ کی طرح اٹھ کر مسکرائی تھیں۔
"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے جیسے میں کسی چھوٹی موٹی بیماری میں مبتلا تھا اور اب ایک دم سے ٹھیک ہوگیا ہوں۔"
"شاید نہیں یقیناً" آپ بہت جلد صحت یاب ہوجائیں گے اور یہ وعدہ رہا ہے کہ آپ کا' آپ میرے ساتھ لندن ضرور جائیں گے۔"
"اس کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی مائے سن۔" (میرے بیٹے) وہ زیر لب مسکرائے۔ پھر جیسے کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے بولے۔
"کتنی عجیب بات ہے حازم۔۔۔ محبت کے فلسفے پر میں کبھی یقین ہی نہیں کرتا تھا۔ میرے نزدیک یہ محض ادیبوں' شاعروں کا اپنا ذہنی فتور تھا۔ ہر رشتہ غرض کا ہوتا ہے۔ شاید اس لیے کہ میں نے یہی دیکھا تھا' یہی پرکھا تھا مگر جب عمر کا ایک حصہ آیا جہاں مجھے یہ احساس شدت سے ہوا کہ "محبت" ہے کوئی پاور فل جذبہ۔۔۔ تب تک

میں محبت کھو چکا تھا۔ وہ میرے پاس اپنے نرم پر پھیلا کر آئی تھی مگر میں نے اس کی آہٹ محسوس نہ کی یا در خور اعتنا نہ سمجھا۔ محبت کا پھول بہت نازک ہوتا ہے۔ کسی بھی ناموافق جھونکے سے ٹوٹ جاتا ہے' پتی پتی بکھر جاتا ہے۔"
عباد گیلانی کا دل ماضی کی اداس ساعتوں میں سفر کرنے لگا تھا۔
حازم کا ہاتھ بے ساختہ ان کے کندھے پر تھپکی کے انداز میں آیا مگر وہ اس کی طرف نظریں چرائے بظاہر مسکرانے کی کوشش کرنے لگے مگر ناکام رہے۔ حازم کو لگا ان کے سینے میں مدفن پھر ان ہی شعلوں پر ہوا پڑی ہو۔
"جس طرح آپ جبراً" اپنی محبت کسی کے دل میں نہیں اتار سکتے' اسی طرح کسی کی محبت کو لاکھ کوشش کر کے بھی اپنے دل سے نہیں نکال سکتے۔ یہ کسی مانوس پنچھی کی طرح آپ کے دل کے پنجرے سے نہیں نکلتی۔" وہ گاڑی کے شیشے سے شام کے ملگجے اندھیرے کو گھورنے لگے۔
"کہتے ہیں انسان کی فطرت بھی کچھ عجیب ہی ہے حازم... وہ صرف محبت سے نہیں بہلنا چاہتا اس کے پیش نظر اس کی مادی اور نفسیاتی خواہشات کا ایک نہ ختم ہونے والا آسمان ہوتا ہے جس میں اڑے بغیر وہ چین نہیں پاتا خصوصاً" جب پرواز کی طاقت ہو' خواہشات کو پر ملے ہوں تو وہ آسمان کی وسعتوں میں گم ہو جاتا ہے' کبھی واپسی کا راستہ اس کے لیے بند ہو جاتا ہے۔
"حازم' مجھ جیسے لوگ محبت کو محض شغل کے طور پر اختیار کرتے ہیں مگر جب عمر کا دریا اترنے لگتا ہے' اس کی جولانی اور تندی میں کمی آنے لگتی ہے' تب وہ سود و زیاں کا حساب لگاتے ہیں مگر اس وقت فقط ہاتھ آتا ہے تو رائگاں جانے کا دکھ... خسارہ ہی خسارہ... اضطراب... پچھتاوے... بس اور کچھ نہیں..."
وہ جیسے خود پر ہنس رہا تھا مگر اس کی مسکراہٹ یوں ابھر کر ڈوب گئی جیسے شام کے تھکے ساحل پر نڈھال اور تھکی لہر ٹکرا کر بکھرنے لگے۔ حازم کا موبائل بجنے لگا تو ماحول پر چھائی افسردگی کا سناٹا ایک چھناکے سے ٹوٹا۔ دوسری طرف یاور علی تھے وہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور راستے کا پتا پوچھنے لگا۔ ان کے بتائے ہوئے پتے پر حازم کو پہنچنے میں زیادہ وقت نہ ہوئی۔
وہ شہر کا ایک صاف ستھرا نیم پوش علاقہ تھا۔ گاڑی رک گئی۔ وہی مانوس خوش نما مکان... عباد گیلانی کا دل سینے کی دیوار سے کسی الہڑ دوشیزہ کے دل کی طرح دھڑکا تھا۔ ایسی طلب اور اضطراب تو انہیں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ جیسے اس وقت ہو رہا تھا... آہ...

بہار کیا اب خزاں بھی مجھ کو گلے لگائے تو کچھ نہ پائے
میں برگ صحرا ہوں یوں بھی مجھ کو ہوا اڑائے تو کچھ نہ پائے

اسے گنوا کے پھر اس کو پانے کا شوق اس دل میں یوں ہے محسن
کہ جیسے پانی پہ دائرہ کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

وہ ایک تکلیف دہ احساس سے گزرتے ہوئے اس مکان کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔
"پاپا... ماضی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کریں گے آپ..."
حازم ڈور بیل پر ہاتھ رکھتے ہوئے باپ کی بیماری کے پیش نظر بولا۔ اس کے چہرے پر تشویش تھی... وہ مضطرب دکھائی دینے لگا تھا۔ عباد گیلانی نے مبہم سے انداز میں مسکرا کر سر ہلا دیا۔ ایک افسردگی ان کا دل کاٹ رہی تھی۔ ماضی کے حوالے سے ان کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے۔ ماضی کا حوالہ ہی تو تھا جو انہیں کشاں کشاں یہاں تک لے آیا تھا۔ یہی باد صرصر تو اسے اڑائے اڑائے پھر رہی تھی' کسی پل چین نہ لینے دیتی تھی۔

ہمارے بعد ہیں کچھ لوگ کیسے، دیکھ تو آئیں
چلو اس شہر کو اک بار پھر سے دیکھ تو آئیں

کسی دن آرزوؤں کے کھنڈر میں جھانک کر ہم بھی
در و دیوار پر کیا کیا ہیں جالے، دیکھ تو آئیں

ہوا میں ڈولتی خوشبو پتا خود ہی بتادے گی
چلو رستوں پر تھوڑی دور چل کے دیکھ تو آئیں

دروازہ یاور علی نے ہی کھولا تھا وہ انہیں پرتپاک انداز میں ملتے ہوئے اندر لے آئے۔ عادل بھائی بھی اخلاقاً" رسمی انداز میں ملنے لگے۔ حازم سے بہرحال پرتپاک انداز میں ملے تھے۔ حازم، مومنہ سے ملنے کو بے چین نظر آنے لگا۔ اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔ وہ اپنے ماموں کو جانتا تھا۔ ان سے ملنے پر بھی کسی قسم کا کوئی جذبہ نہیں ابھرا مگر یہاں آکر اسے لگا وہ اپنے باپ کی طرح اس ہستی سے ملنے کو لاشعوری طور پر ضرور مضطرب ہے۔ دروازہ کھلا اور ایک مہکتی خوب صورت لڑکی داخل ہوئی سبز اور سفید کنٹراس کے لباس میں بہار کے اولین جھونکے کی مانند تھی۔ حازم نے اپنی فطرت کے خلاف اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔

"یہ حوریہ ہے، عادل کی بیٹی، مومنہ سے بہت زیادہ اٹیچڈ ہے۔" یاور علی نے اس کا تعارف کرایا۔ عباد گیلانی نے بڑی شفیق نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ چونکے ضرور تھے۔ اسے اس میں مومنہ کا عکس بہت واضح دکھائی دیا تھا ویسے ہی آنکھوں کے بھورے کانچ۔ جس میں البیلی مسکراہٹ رچی ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے
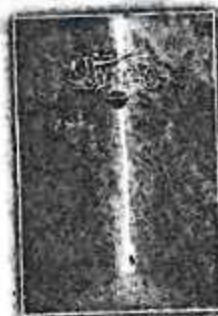
اٹھے تھے 'مومنہ سے قریب ہر شے انہیں عزیز لگ رہی تھی۔

"حوریہ... یہ حازم ہے میرا بیٹا..." انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میرا مطلب ہے تمہاری پھوپھو کا بیٹا... تمہارا کزن..." وہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ اس نے حازم کی طرف دیکھا۔ حازم بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملنے پر وہ اخلاقاً" اور رسماً" مسکرا دی۔ اس کی آنکھوں کے بھورے کانچ پلکوں کی باڑھ اٹھانے پر دمکتے ہیروں کی مانند لگ رہے تھے۔ حازم نے یک دم نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ عجیب بے پروا اور معصوم مہکتا سا حسن تھا۔ ایسا نہیں تھا اس نے حسن نہیں دیکھا تھا مگر اس میں بلا کی کشش تھی۔ جبکہ ادھر حوریہ عباد گیلانی کی سحر انگیز شخصیت سے متاثر سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دل میں دکھ کی لہر اٹھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش... وہ اس کی مومنہ پھوپھو کے لیے آج بھی محرم ہوتے۔

عباد گیلانی سے مل کر حقیقتاً" وہ اداس ہو رہی تھی۔ اتنی شان دار پرسنالٹی والا شخص اس قدر مکروہ کردار کا ہو سکتا ہے۔ وہ بے چین سی ہو کر وہاں سے بہانہ بنا کر اٹھ گئی۔ اس کے کمرے سے نکلتے ہی حازم کو ایک لمحے کو لگا جیسے اس گوشے سے کائنات کا سارا حسن سمیٹ کر چلی گئی ہو۔ تاہم اس کی موجودگی کا یہ احساس خوشبو کی طرح چند لمحے اس کے احساس پر سوار رہا مگر وہ جلد ہی اپنے فطری جذبوں کی لگام میں کھینچ کر عباد اور علی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

عباد' یاور علی کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں... وہ مجھ سے ملنا پسند نہیں کرے گی مگر میں وعدہ کرتا ہوں اس کو پریشان نہیں کروں گا' نہ اصرار کروں گا۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ نے اپنے گھر کے دروازے میرے اور حازم کے لیے کھولے ہیں۔" حازم پہلی بار اپنے باپ کو اتنی نرمی اور عاجزی سے کسی کے آگے بات کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ کہیں سے ماضی کے عباد دکھائی نہ دے رہے تھے۔

متکبر...

تند مزاج...

بد مزاج...

ادھر مومنہ کو کسی نے نہیں بتایا تھا کہ عباد گیلانی بھی حازم کے ہمراہ آیا ہوا ہے۔ بیٹے کی آمد کا سن کر۔ اس سے ملنے کی فطری تڑپ اسے بے قرار کر گئی۔ وہ جذبات کی رو میں بہتی ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔ وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے کو دیکھنے اسے سینے سے لگا کر برسوں کی پیاس بجھانے کی تمنا سے لبریز اندر آئی تھی مگر عباد گیلانی کو دیکھ کر اس کے قدم لڑکھڑا کر وہیں جم گئے۔

اس کی آنکھوں میں پہلے حیرت چھلکی' پھر یہ حیرت یوں چٹخی جیسے بہت اونچائی سے کوئی کانچ کا گلدان کسی کھردری سطح سے جا ٹکرایا ہو۔ دوسرے پل کرچیوں کو وہ اپنی ہی آنکھوں میں چبھتا ہوا محسوس کرنے لگی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)